59

نوجوان اپنی ذمہ واریوں کو محسوس کریں

(فرمودہ ۸- جولائی ۱۹۳۲ء)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میں نے متواتر جماعت کے دوستوں کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ سلسلوں کی ترقی آئندہ نسلوں کی ترقی کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ اگر ہماری آئندہ نسلیں اس معیار کو قائم نہ رکھیں جس کا قائم رکھنا ہماری ترقی کے لئے ضروری اور لازمی ہے تو یقیناً یہ امر ہماری ترقی کے رستہ میں اہم اور بہت بڑی روک ثابت ہو گا۔ کئی دفعہ میں نے بتایا ہے کہ اولاد کی محبت اس بات میں مرکوز نہیں ہے کہ ماں باپ ان کی تمام خواہشات کو پورا کریں بلکہ اس میں اچھے اخلاق قربانی وایثار کی روح پیدا کرنا سچی محبت ہے۔ اس کے بغیر عارضی خوشیاں دراصل ان کے لئے ماتم کا سامان ہوتی ہیں اور ان پر خوش ہونے والے والدین دراصل ان کے دوست نہیں بلکہ دشمن ہوتے ہیں۔ میں یہ بات سمجھتا ہوں اور سمجھ سکتا ہوں کہ باوجود پوری خواہش اور ممکن تدابیر اختیار کرنے کے بھی ہو سکتا ہے کہ اولاد والدین کی مرضی کے مطابق نہ چلے اور ان کے احکام کی خلاف ورزی کرے۔ لیکن اس کا سبب یا تو یہ ہو گا کہ اولاد کے دماغ میں کوئی نقص ہو گا یا پھر یہ کہ ماں باپ کے اثر سے زیادہ مضبوط اثر اس پر پڑ رہا ہو گا اور یہ اثر اگر لڑکا شادی شدہ ہو گا تو بیوی کا ہو گا یا دوستوں اور استادوں کا ہو گا اور اگر وہ شادی شدہ نہ ہو گا تو دوستوں اور استادوں کا۔

پس میں تسلیم کرتا ہوں کہ بالکل ممکن ہے بعض ماں باپ پورا زور لگائیں اور پھر بھی تمام اولاد یا ان میں سے بعض پر برا اثر ہو۔ اور وہ اسے روک نہ سکیں لیکن اس صورت میں وہ بری الذمہ ہوں گے۔ ان کی ذمہ داری کوشش اور سعی تک تھی اگر یہ ثابت ہو جائے کہ انہوں نے وہ تمام تدابیر جو اصلاحِ اولاد کے لئے کرنی چاہئیں' اختیار کیں مگر پھر بھی اچھا نتیجہ نہیں نکلا اور وہ کامیاب نہیں ہو سکے تو اس صورت میں وہ خدا تعالیٰ کے مؤاخذہ کے نیچے نہیں ہوں گے۔ اگر نصیحت تنبیہ زجر و توبیخ سے تعلق رکھنے والی تمام تدابیر انہوں نے اختیار کیں اور پیار سے تعلق رکھنے والے

تمام ذرائع بھی استعمال کئے پھر بھی اصلاح نہیں ہو سکی تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بری الذمہ ٹھہریں گے۔ لیکن عام طور پر ایسے حالات میں اصلاح ہو جاتی ہے۔ سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ کی کوئی خاص تقدیر کسی کے بارے میں جاری ہو۔ لیکن ایسے انسان بہت کم ہوتے ہیں جن کے متعلق خاص تقدیر جاری ہو۔ عام انسانوں کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے جیساکہ نباتات کے متعلق خدا تعالیٰ کا عام قانون جاری ہوتا ہے۔ اسی کے ماتحت وہ کھاتے پیتے، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور جیتے مرتے ہیں۔ خاص قوانین جاری کرنے کے لئے انسان کو یا تو شرارت میں ابو جہل اور فرعون جیسا بننا پڑتا ہے یا نیکی میں حضرت مسیح، حضرت موسیٰ اور حضرت رسول کریم ﷺ جیسا بننا پڑتا ہے۔ بُرے رنگ میں خاص قوانین جاری کرانے کے لئے انسان کو ابو جہل اور فرعون کا مثیل بننا پڑتا ہے۔ اور نیک رنگ میں خاص قانون جاری کرنے کے لئے حضرت موسیٰ اور محمد ﷺ کا مثیل۔ مگر دنیا میں نہ تو تمام شریر فرعون اور ابو جہل جیسے ہوتے ہیں اور نہ سارے نیک حضرت موسیٰ اور محمد ﷺ جیسے اس لئے وہ عام قانون کے ماتحت ہی زندگی بسر کرتے ہیں۔

پس یہ کہنا کہ فلاں کی اولاد کے متعلق خدا تعالیٰ کا کوئی خاص قانون جاری ہوا ہو گا عام لوگوں کے متعلق بعید از قیاس بات ہے۔ بے شک ایسا بھی ہوتا ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق خدا تعالیٰ کا یہ قانون کہ ان کا بیٹا سزا پائے گا۔ یا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ کہ ان کی اولاد میں نبوت قائم کی جائے گی۔ یہ خود دونوں اعلیٰ درجہ کے انسان تھے مگر ایک کی اولاد کے لئے اللہ تعالیٰ نے برے رنگ میں خاص قانون جاری کیا اور دوسرے کے لئے اچھے رنگ میں۔ میں اس وقت یہ حکمت بیان کرنے کے لئے کھڑا نہیں ہوا کہ کیوں حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے کے متعلق برے رنگ میں خدا تعالیٰ کا خاص قانون جاری ہوا اور کیوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے متعلق اچھے رنگ میں۔ اگرچہ خدا تعالیٰ کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں ہوتی مگر اس وقت اسے بیان کرنا میرا مقصد نہیں۔ میں اس وقت صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ خاص قانون خاص بندوں کے لئے ہی جاری ہوتے ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کے لئے خدا تعالیٰ کا یہ خاص قانون جاری ہوا کہ سارے عرب میں مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں بھی یہ بیان فرمایا ہے کہ جب ہم کسی عظیم الشان نبی کو مبعوث کرتے ہیں تو اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا[1] یعنی ہم سب سے بڑے آدمیوں کے دلوں میں مخالفت کی آگ بھڑکا دیتے ہیں اور جتنے زیادہ ہم احکام دیتے ہیں وہ اتنے ہی زیادہ مخالف ہوتے جاتے ہیں لیکن یہ ہر ایک انسان کے

لئے نہیں ہو سکتا کہ اس طرح اس کی مخالفت کی جائے۔ رسول کریم ﷺ اچھی بات کہتے تھے لیکن لوگ آپ سے لڑتے تھے۔ مگر کئی لوگ بری باتیں کہتے ہیں اور پھر بھی لوگ ان سے پیار کرتے ہیں۔ تو یہ مخالفت بھی یونہی نصیب نہیں ہو جاتی۔ اس زمانہ کے کئی مدعیان محض اس وجہ سے مجھے گالیوں سے بھرے ہوئے خطوط لکھتے رہتے ہیں کہ کیوں "الفضل" میں ہماری مخالفت نہیں کرائی جاتی۔ مگر میں ان کو یہی جواب دیتا ہوں کہ مخالفت بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے ہوتی ہے۔ کب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو خطوط لکھے کہ میری مخالفت کرو۔ خدا تعالیٰ نے خود ہی ان کے دلوں میں آگ لگادی۔ اس طرح گندوں کے گند بڑھا دیئے اور پھر نیکوں کی نیکی میں ترقی دی۔ بڑے بڑے لوگ خود ہی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ اس پر عوام نے سمجھا کہ ضرور کوئی بات ہوگی اس لئے انہوں نے غور شروع کیا اور خدا تعالیٰ نے ان میں سے کئی ایک کو ہدایت دیدی۔ تو عام آدمیوں کے لئے خاص قانون جاری نہیں ہوتا اس لئے ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ در حقیقت اولاد کی تربیت کے متعلق عام قانون کی نگہداشت کے مطابق برے یا بھلے نتائج نکلتے ہیں۔ بری صحبت عدم توجہی یا دماغی نقص سے برا نتیجہ نکلتا ہے اور اچھی صحبت کوشش اور سعی نیز دماغی قابلیت کیوجہ سے اچھا نتیجہ بر آمدہ ہوتا ہے۔ پس ان باتوں کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں خاص حالات ہوتے ہیں وہاں اللہ تعالیٰ کا خاص قانون بھی جاری ہوتا ہے۔ پھر یہ بات بھی صحیح نہیں کہ خدا تعالیٰ کسی سے کہتا ہے بد ہو جا اور وہ بد ہو جاتا ہے۔ دراصل وہ انسان خود بدی کا مستحق ہوتا ہے اور پھر بدی میں بڑھ جاتا ہے۔ یہی اصل نیکیوں کے متعلق ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں بہت سے لوگ اس قانون سے غافل ہیں۔ اور باوجودیکہ موقع ہوتا ہے کہ وہ اولاد کی اصلاح کریں مگر نہیں کرتے۔

میں سمجھتا ہوں احمدیت کے متعلق ذمہ داریاں جس طرح ماں باپ پر عائد ہوتی ہے اسی طرح اولاد پر بھی ہیں اس لئے کیوں نہ میں اولاد کو مخاطب کروں اور انہیں کہوں کہ خدا سے تمہارا تعلق والدین سے وابستہ نہیں۔ ابوجہل کس طرح رسول کریم ﷺ کی مخالفت پر کمربستہ تھا مگر عکرمہ نے کس طرح اسلام کی خاطر قربانیاں کیں۔ اگر ماں باپ ہی ذمہ دار ہوتے تو عکرمہ کو یہ سعادت کبھی نصیب نہ ہوتی۔ اسلام کے ابتدائی ایام میں اس کے لئے جانیں قربان کرنے والے بڑے بڑے مخالفین کی اولاد میں سے ہی تھے یا بڑے لوگوں کے بھتیجے بھانجے وغیرہ۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اشارہ فرمایا ہے کہ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ

اَطْرَافِھَا [1] یعنی ہم انکی دنیا کو تنگ کر رہے ہیں۔ یہ دیکھتے نہیں کہ کس طرح روز بروز کم ہوتے جا رہے ہیں۔ پس اگر ماں باپ کے اثر کے نتیجہ میں ہی اولاد کی اصلاح ہوتی تو یہ نوجوان جنہوں نے ایسے وقت میں رسول کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی جب ساری دنیا مخالف تھی اور جب راستوں پر چلنا مسلمانوں کے لئے دُشوار تھا۔ یہ اٹھارہ اٹھارہ اور بیس بیس سال کے نوجوان جن کے عیش و آرام کے دن تھے' خود بخود اپنے لئے ایسی زندگی کو پسند نہ کرتے جو قید سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوجوانوں کا دماغ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے بُرے اور بھلے میں تمیز کر سکے۔ اگر ان نوجوانوں نے باوجود والدین کی مخالفت کے نیکی کی راہ اختیار کی تو ہمارے نوجوان ماں باپ کی تائید کے باوجود کیوں نہیں کر سکتے۔ اس لئے اپنے نوجوانوں کے والدین ان کے بڑوں' رشتہ داروں' استادوں اور بزرگوں کو نظر انداز کرتے ہوئے گویا وہ اس وقت میرے مخاطب نہیں ہیں میں براہ راست نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں کیونکہ ایک دن وہی کام جو اس وقت ان کے والدین کا ہے' ان کے کندھوں پر پڑے گا۔ خدا تعالیٰ نے احمدیت کے پودے کو ان لوگوں کے خون سے سینچوایا ہے جو نیکی میں اس قدر ترقی یافتہ تھے کہ ان قدموں کی خاک عام لوگوں کے سروں کے لئے برکت کا موجب ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کی تمام گھڑیاں سلسلہ کی عظمت قائم کرنے کے لئے خرچ کیں۔ وہ بے شک تلوار سے نہیں کاٹے گئے۔ اگرچہ کئی ایک جان سے بھی مارے گئے۔ مگر زیادہ تر آہستہ آہستہ دِق اور سِل سے فوت ہوئے۔ ظاہری دِق اور سِل نہیں بلکہ قومی درد کی دِق اور سِل جو ظاہری سے کہیں زیادہ سخت ہوتی ہے۔ ان کی عمریں جتنی سلسلہ کے لئے بسر ہوئیں' اس کے دوران میں دنیا کی اصلاح کے لئے وہ گویا جہنم میں گرے اور اس لئے گرے کہ تا تم جنت کو پا سکو۔ پس میں نوجوانوں سے پوچھتا ہوں کیا سلسلہ کے ان جاں نثاروں کی قربانیاں ایسی نہیں کہ وہ ان کو اپنے لئے مثال بنائیں۔ اور بجائے اپنے وقت کو آوارگی میں بسر کرنے کے دنیا کے لئے مفید بنائیں۔

دنیا میں قربانی اور ایثار کی کئی چھوٹی چھوٹی مثالیں ہیں جنہیں قائم رکھا جا رہا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو صرف چھ گھنٹے کے لئے صلیب پر لٹکایا گیا اور ان کے ہاتھ اور پاؤں میں کیل گاڑے گئے مگر اس کے مقابلہ میں تمہارے سامنے کیسی شاندار مثالیں ہیں۔ سید عبد اللطیف صاحب شہید نے کس طرح جان دی۔ ہزاروں آدمیوں نے پتھر مار مار کر انہیں شہید کیا۔ مگر وہ اس وقت بھی انہیں دعائیں ہی دیتے رہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام تو صلیب کے صدمہ سے بے ہوش ہو گئے

تھے لیکن سید عبداللطیف پر آدھ یا پون گھنٹہ تک مسلسل پتھروں کی بارش ہوتی رہی لیکن وہ آخر تک پوری طرح ہوش وحواس میں رہے اور پتھر مارنے والوں کو دعائیں دیتے رہے۔ یہی حال بعد کے شہداء کا ہے انہیں طرح طرح کے دکھ دیئے گئے مگر انہوں نے ذرہ پرواہ نہ کی۔ اپنی طرف سے نہایت ذلت کے ساتھ انہیں بازاروں میں پھرایا گیا' رستوں میں ان پر تھوکا گیا' گالیاں دی گئیں اور مجبور کیا گیا کہ کہہ دو مرزا صاحب کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ مگر وہ یہی کہتے رہے ہم تو خدا تعالیٰ سے یہی دعا کرتے ہیں کہ تمہیں ہدایت دے اور تم بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قبول کرلو۔

ایک شخص جو اب احمدی ہو گیا ہے ایک زمانہ میں وہ سخت مخالف تھا۔ اس نے مجھے کئی خط لکھے۔ اس نے لکھا میرا دل رنج والم سے بھر جاتا ہے جب میں یہ یاد کرتا ہوں کہ میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے سب سے پہلے پتھر مارنے کا اقدام کیا تھا۔ اور میں حیران ہوں کہ وہ کس طرح پتھروں کی بارش کے باوجود دعائیں دیتے رہے۔ تعجب ہے کہ کروڑوں انسان اس چھ گھنٹہ کی صلیب کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے مختلف طریق سے کام لیتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے اپنی گردن میں صلیب لٹکائے رکھتے ہیں مگر اس سے زیادہ شاندار قربانیوں کی زیادہ مثالیں تمہارے اندر موجود ہیں اور تمہیں انہیں زندہ رکھنے کا خیال نہیں آتا۔ میں نہیں سمجھتا ہمارے نوجوانوں کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں کہ وہ اپنے بزرگوں کے کارناموں اور ان کی دین کے لئے قربانیوں کی یاد تازہ رکھنا نہیں چاہتے۔ دوسری اقوام کی مثالوں پر تو عرصہ گزر گیا لیکن ہماری جماعت کے لوگوں کی مثالیں ابھی تازہ ہیں۔

بیت الدعا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا فرمایا کرتے تھے مولوی عبدالکریم صاحب نے خواہش کرکے اس کے اوپر ایک کمرہ بنوایا تھا۔ چونکہ چھت چھوٹی تھی نیچے کی آواز اوپر سنائی دے سکتی تھی۔ مولوی صاحب سنایا کرتے کہ ایک دن ایسی آواز نیچے سے آرہی تھی جیسے کوئی عورت دردِزہ سے بیتاب ہو۔ وہ طاعون کے ایام تھے اور سخت طاعون پھیلی ہوئی تھی۔ اور علاقوں کے علاقے صاف کررہی تھی۔ میں نے اس کرب و تکلیف کی آواز کو جو سنا تو معلوم ہوا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا کررہے ہیں جس کا مطلب یہ تھا کہ الٰہی اگر طاعون اسی طرح تباہی پھیلاتی رہی تو تجھ پر ایمان کون لائے گا۔ ہمارے لوگوں کو پروپیگنڈا کا صحیح طریق نہیں آتا ورنہ جتنی قربانیاں اور جس شان کی قربانیاں ہمارے لوگوں نے کی ہیں ان کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ اور قربانی کے صحیح طریق کو اگر دیکھا جائے تو ہمارا سلسلہ پہلے سلسلوں سے

سینکڑوں گنا زیادہ قربانیاں پیش کر سکتا ہے مگر ہم میں یادگار قائم رکھنے کی عادت نہیں یا پھر شاید اس لئے کہ بہت سی مثالیں ہیں اس لئے ان کی طرف توجہ نہیں۔ جس شخص کے پاس ایک روپیہ ہو وہ اسے سنبھال سنبھال کر رکھتا ہے لیکن جس کے پاس ہزاروں ہوں وہ زیادہ پرواہ نہیں کرتا۔ دوسروں کی قربانیاں معمولی اور تھوڑی ہیں اس لئے وہ یاد رکھتے ہیں اور ہماری چونکہ ہزاروں ہیں اس لئے ہم قدر نہیں کرتے۔ کئی لوگ دوسروں کی قربانیوں کو یاد کر کے خیال کرتے ہیں کہ وہ کیسے اچھے لوگ تھے' کاش ہم بھی ویسے ہوتے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ویسے ہی نہیں بلکہ ان سے زیادہ ہم میں موجود ہیں۔ مگر انہیں قدردانی کی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا۔ روحانی بینائی سے انہیں نہیں جانچا گیا بلکہ دنیاداری کی آنکھ سے دیکھا گیا ہے۔ وہ نور جو روحانی مدارج کو دیکھنے کے لئے درکار ہے اس سے نہیں دیکھا گیا' اس لئے وہ نظروں سے اوجھل ہیں۔

افسوس ہے آج میں جلد نہ آسکا ورنہ میرا ارادہ تھا کہ نوجوانوں کے سامنے ایک پروگرام رکھتا جس سے وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کر سکتے اور اپنے کام کی طرف متوجہ ہو سکتے۔ میں پہلے بڑوں کو مخاطب کرتا رہا ہوں لیکن اس کا خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا۔ میں نے انصار اللہ کی تحریک جاری کی تھی لیکن میں نے دیکھا ہے کہ کام کرنے والے ہفتہ کے دوران میں کچھ کام نہیں کرتے تھے۔ اور زیادہ سے زیادہ وہ اس جلسہ میں شامل ہو جاتے تھے جس میں مَیں نے تقریر کرنی ہوتی تھی۔ جب میں نے دیکھا کہ ایسی توجہ اس کی طرف نہیں جس سے خاص فائدہ ہو سکے تو اسے بند کر دیا۔ لیکن میں یہ ضرور سمجھتا ہوں کہ کوئی وجہ نہیں اگر ہمارے بچوں اور نوجوانوں کو صحیح طریق پر مخاطب کیا جائے اور ان کی خفیہ قوتوں کو بیدار کیا جائے تو مفید نتائج پیدا نہ ہوں۔ میرا منشاء ہے کہ نئی سکیم جو ۲۵ سال تک کی عمر کے نوجوانوں کو بطور والنٹیئر بھرتی کرنے کے متعلق ہے اسے اس رنگ میں منظم کیا جائے کہ نوجوانوں کے دلوں میں روحانیت کے ساتھ ساتھ سلسلہ کی عظمت اور وقار بھی قائم ہو سکے۔ اور مجھے امید ہے کہ ہمارے یہاں کے بھی اور باہر کے بھی نوجوان ہر وقت ترقی کرنے کے لئے تیار ہیں اور ان کے سینوں میں جوش اور ولولہ کی آگ بھڑک رہی ہے اگرچہ سستی اور غفلت کے باعث اس سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکا۔

(الفضل ۱۴ جولائی ۱۹۳۲ء)

---

۱ بنی اسرائیل: ۱۷ ۲ الرعد: ۴۲